ہر احمدی بچے کو سنبھالنا جماعت احمدیہ کا بنیادی فرض ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷؍دسمبر ۱۹۷۹ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

کل ایک نوجوان ملاقات کے لئے آئے تھے۔ مجھ سے مشورہ مانگنے لگے کہ میں ایم بی بی ایس کے آخری سال میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ پڑھائی چھوڑ دوں اور کوئی اور کام کروں۔ انہیں تو میں نے تاکید کی کہ پڑھائی نہیں چھوڑنی پہلے ڈاکٹر بنو۔ پھر نوعِ انسانی کی خدمت کرو لیکن جس رنگ میں اس نوجوان نے مجھ سے بے تکلف یہ بات کی کہ ڈاکٹری کے آخری سال میں ہوتے ہوئے بھی پڑھائی چھوڑنے کا خیال اس کے دل میں پیدا ہوا، اس نے مجھے اس طرف متوجہ کیا کہ جماعت پر واضح کروں کہ حصولِ علم کی بڑی اہمیت ہے۔

اگر ہم سارا ہی علم حاصل کر لیں اور ہم سے میری مراد نوعِ انسانی ہے پھر توجہ کم ہو جائے تو شائد۔ شائد اس کا کوئی عقلی، اخلاقی یا شرعی جواز ہو لیکن وہ کائنات جس کی ہر شے ہماری خدمت کے لئے پیدا کی گئی اور جس کی ہر شے سے خدمت لینے کے لئے ہمیں اس کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے، وہ غیر محدود پہلو خدمات کے اپنے اندر رکھتی ہے۔ ہر شے غیر محدود پہلو علم کے اپنے اندر رکھتی ہے۔ مجموعی طور پر وہ تمام اشیاء جن کا گننا ہمارے لئے ممکن نہیں، ہمارے تصور میں بھی وہ تعداد نہیں آ سکتی اس کی وسعتوں کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔ وہ کہاں ختم ہوگا۔ کب ختم ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت سے جو چیز پیدا ہوئی ہے اس کی غیر محدود صفات ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی غیر محدود صفات کے جلوے ہر آن اس کے اوپر ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت تک انسان کوشش کرتا رہے خشخش کے ایک دانے کی صفات کا علم حاصل کرنے کی۔ اس پر تحقیق کرے نئے سے نیا علم اس کے سامنے آئے گا۔ قیامت تک کوشش کرے وہ خشخش کے دانہ کی صفات کا احاطہ نہیں کر سکے گا۔ وہ سارا علم اسے حاصل نہیں ہو سکے گا تو علم کا میدان اتنا وسیع ہے کہ اس کی وسعتوں کا اندازہ نہیں۔ اس لئے کہ کائنات کی وسعتوں کا اندازہ نہیں اس لئے کہ کائنات میں سے ہر شے پر خدا تعالیٰ کی صفات کے جو جلوے ظاہر ہوتے ہیں ان کی وسعتوں کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔

میں نے جماعت کو بار بار اس طرف متوجہ کیا ہے کہ علم کی طرف وہ توجہ دے اور اپنی نسل کو، اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ پڑھائے۔ ابھی پچھلے دنوں میں نے یہ کہا تھا کہ ہر احمدی بچہ کم از کم دسویں جماعت پاس ہونا چاہیئے کم از کم اتنی تعلیم ہونی چاہیئے۔ علم کا حصول جو ہے نوعِ انسانی جس رنگ میں حاصل کرتی ہے اس میں بھی ہمیں ایک Pyramid نظر آتا ہے یعنی بنیاد اس کی چوڑی ہے اور پھر آہستہ آہستہ وہ تنگ ہوتا جاتا ہے اور پھر چوٹی میں وہ لوگ پہنچتے ہیں جو چوٹی کے دماغ رکھتے ہیں ڈاکٹر عبدالسلام جیسے۔ مگر وہ ایک نہیں وہ بھی ہزاروں کی تعداد میں ہو سکتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔ اس پر میں نے کل کی اس گفتگو کے بعد جو بچے سے ہوئی بہت سوچا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جو میں نے یہ کہا تھا کہ کم از کم دسویں جماعت ہو وہ بھی صحیح نہیں کہا تھا بلکہ قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی میں مجھے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ ہر بچہ اس مقام تک ضرور پہنچے جس کی استعداد اللہ تعالیٰ نے اسے دی ہے۔ استعداد، استعداد میں فرق ہے تو جس قدر تعلیم میں بچہ آگے نکل سکتا ہے وہاں تک اسے پڑھنا چاہیئے۔ عملی زندگی میں داخل ہونے سے پہلے۔ پھر وہ عملی میدان میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی دوسری قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بنی نوع انسان کی بہتر خدمت کر سکتا ہے۔

جب میں کہتا ہوں کہ ہر بچہ جہاں تک تعلیم حاصل کر سکتا ہے وہاں تک تعلیم حاصل کرے تو عملی جو اس کی شکل بنے گی اس کی ذمہ داریاں Shift کریں گی۔ اپنا مقام چھوڑیں گی۔ مثلاً

ایک بچہ ہے وہ ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔ وہ پرائمری تک بھی تعلیم حاصل نہیں کرسکتا۔ جب تک اس کی مدد نہ کی جائے۔

اس کی مدد ہونی چاہیئے۔ کئی خط میرے پاس آ جاتے ہیں ایسے کہ پرائمری تک تو ہم نے اپنے بچے کو پڑھا دیا مڈل تک نہیں پڑھا سکتے۔ ہمارے بچے کے لئے کوئی انتظام کریں۔ جہاں تک ہوسکتا ہے کرتے ہیں لیکن اس طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ جہاں تک پرائمری تک پڑھانے اور آگے پھر مڈل تک پڑھانے کا سوال ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کی قریباً ساری ذمہ داری مقامی جماعتوں کو اٹھانی چاہیئے۔ قریباً میں نے اس لئے کہا کہ بعض جگہ نئی نئی جماعتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور تعداد کے لحاظ سے اور مالی وسائل کے لحاظ سے وہ عملاً پرائمری تک کی ذمہ داری اٹھانے کے بھی قابل نہیں ہوتیں۔ اس صورت میں مرکز کو جہاں تک ممکن ہو ان کی مدد کرنی چاہیئے۔

بعض ایسے خط آ جاتے ہیں کہ مڈل تک پڑھا دیا آگے نہیں پڑھا سکتے اور بچہ پڑھنے کے قابل ہے اسے پڑھانا چاہیئے لیکن دسویں تک میں نے جو کہا اس کی ایک وجہ تھی اس وقت میرے ذہن میں۔ اور وہ یہ تھی کہ ساری دنیا نے۔ جو امیر دنیا ہے انہوں نے ایک معیار ایسا رکھا ہے جس کے بعد جو محض علم والا حصہ ہے اس میں ایک روک پیدا کرتے ہیں اور ہنر اور علم جہاں مل جاتے ہیں اس طرف ان کو پھیر دیتے ہیں مثلاً ایک بچہ ہے انگلستان کا ان کے ویسے نام کلاسوں کے اور ہیں۔ اے لیول (A Level) اور او لیول (O Level) وغیرہ وغیرہ لیکن جو بھی ہیں اُن کے نام وہ ایک خاص لیول (Level) کے بعد بچے کو کہتے ہیں کہ آگے تم نہ جاؤ۔ تمہارا ذہن انجینئرنگ کی طرف جاتا ہے۔ بہت ذہین نہیں تم انجینئر نہیں بن سکتے لیکن اچھے ٹیکنیشن بن سکتے ہو تو وہ ہنر سیکھو۔ اس میں پھر وہ کہتے ہیں اور بچے کو یہ ہدایت کرتے ہیں، اس کو مشورہ دیتے ہیں، گائیڈ کرتے ہیں کہ تمہارا ذہن ایسا ہے کہ بجلی سے تعلق رکھنے والی انجینئرنگ کے تم اچھے ٹیکنیشن بن سکتے ہو۔ پھر ادھر اس کو منتقل کر دیتے ہیں تو ساری قوم مدد دیتی ہے بچے کو اس راہ کی تعیین میں جس میں وہ زیادہ سے زیادہ ترقی کرسکتا ہے۔ یہاں ایسے سامان نہیں۔ ماحول بھی ایسا نہیں۔ ہمارے ہاں ہماری جماعت میں قاضی محمد اسلم صاحب ماہر نفسیات کو اس

میں شغف ہے۔ بہتوں کو انہوں نے مشورے دیئے۔ اچھے بھی دیئے۔ نہیں بھی دیئے ہوں گے اچھے۔ اور اپنے بیٹے کو انہوں نے غلط مشورہ دے دیا۔ وہ کہے میرا دماغ نہیں جاتا سائنسز کی طرف مجھے آرٹس پڑھنے دیں اور یہ اس کو کہیں کہ نہیں میرا دل کرتا ہے کہ تم سائنسز پڑھو اور اس کو بڑی مشکل پڑی اور اس وقت شاید اس کا ایک سال ضائع ہوا یا نہیں ہوا بہرحال کچھ وقت اُسے تکلیف اٹھانی پڑی اور باپ ماہر، غلطی سے مظلوم بیٹے کو غلط راستے پر چلانا چاہتا تھا لیکن وقت پر اس نے اپنا مضمون بدلا اور اس میں وہ بڑی ترقی کر گیا آرٹس میں۔ اور مقابلوں کے امتحان میں بڑے اچھے نمبر لے کر وہ آگے نکلا۔

تو اس قسم کا ہمارے ہاں ماحول بھی نہیں۔ ہمارے پاس ماہر بھی نہیں لیکن جس حد تک ہوسکتا ہے ہمیں اس طرف توجہ کرنی چاہیئے جو دسویں سے آگے نکلتے ہیں ان کو یعنی انٹرمیڈیٹ، پری میڈیکل، پری انجینئرنگ اور آرٹس، تینوں جو حصے بنتے ہیں اس میں احمدی بچے کو چوکس رہ کر سنبھالنا جماعت احمدیہ کا بنیادی فرض ہے اور جو اس کے بعد یعنی انٹرمیڈیٹ کے بعد مثلاً انہوں نے طب کا لیا۔ میڈیکل کورس لیا یا انجینئرنگ کا لیا یا سائنسز کے دوسرے مضامین ہیں وہ آگے جا کر بہت ترقی ان میں کرسکتا ہے۔ فزکس ہے، کیمسٹری ہے، باٹنی زوالوجی ہے وغیرہ وغیرہ اب تو سائنسز کے نام بھی نئے علوم مدوّن ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دفعہ میں نے بتایا تھا ایک نئی سائنس بن گئی۔ سائنس آف چانس۔ یہ اتفاق۔ اتفاق۔ اتفاق انسان جو کہتا تھا تو سوچنے والوں نے سوچا۔ فکر کرنے والوں نے فکر کی اور اس کو ایک سائنس میں تبدیل کر دیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہمیں ماننا پڑے گا کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی خالق، کوئی رب، کوئی ایک واحد ہستی ایسی ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے۔

بہرحال جو آگے جاتے ہیں وہ پھر کئی حصوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو درمیانے درجہ کے ہیں یا درمیانے درجے کے بھی نچلے حصے میں ہیں۔ وہ ایم ایس سی کر لیتے ہیں لیکن ان کا ذہن بہت اچھا نہیں Genius نہیں۔ وہ یہاں کی تعلیم ہمارے ملک کی جو ہے وہ ان کے لئے کافی ہے۔ ان کو سہولت ملنی چاہیئے۔ ان کی صحت کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ان کی غذا کا خیال رکھنا چاہیئے، ایک صحت مند ایم ایس سی پیدا ہوجائے اس ملک کی خدمت کے لئے جو

اس سے اوپر کے دماغ ہیں وہ آگے دو حصوں میں بٹتے ہیں۔ ایک وہ جو بہت اچھا نہیں لیکن کافی اچھا ہے۔ بہت اچھا نہیں کہ سارا بوجھ اس کی اعلیٰ تعلیم (Higher Studies) کا جماعت احمدیہ برداشت کرے اور یہ فرض ہو لیکن اتنا بُرا بھی نہیں کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے اگر اس کا خاندان اس کے اخراجات میں حصہ دار بنے تو کچھ جماعت کو ادا کرنا چاہیئے۔ باقی بوجھ وہ اٹھائیں۔ جو ایسا طالب علم ہے جو بہت ہی اچھا ہے اس کا اگر سارا بوجھ بھی اٹھانا پڑے۔ یہ اگر کے ساتھ میں کہہ رہا ہوں ویسے۔ اگر سارا بوجھ بھی اٹھانا پڑے تو جماعت کو اٹھانا چاہیئے لیکن چونکہ وہ بہت اچھا ہے اس لئے اگر اس کا خاندان یہ کہے کہ ہم کچھ بھی نہیں دینا چاہتے باوجود اس کے کہ ہم مالدار بھی ہیں تو یہ غلط ہے۔ جس حد تک بھی وہ اس کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں ان کو اٹھانا چاہیئے اور اس کے علاوہ جو بوجھ بھی ہے وہ جماعت کو اٹھانا چاہیئے۔ ذہن کو ضائع نہیں ہونے دینا۔ یہ آپ عہد کریں۔ جو ذہن اللہ تعالیٰ نے ایک احمدی خاندان میں پیدا کیا ہے وہ ضائع نہیں ہوگا۔

اب میں اوپر کے جو دو حصے بنتے ہیں۔ دو گروہ بنتے ہیں ان کے متعلق بات کر رہا ہوں۔ ایک وہ ہے کہ جن کا سارا بوجھ بھی جماعت کو اٹھانا پڑے تو جماعت کو اٹھا لینا چاہیئے۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں اس میں کچھ غلط فہمی بھی ہوئی تھی۔ ایک بڑا ذہین بچہ، وہ میرے پاس آیا اس وقت مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ یہ سارا بوجھ ڈالنا چاہتا ہے کہتا ہے کہ میں امریکہ جانا چاہتا ہوں اور اس کے متعلق رپورٹ یہ تھی کہ وہ بہت اچھے ذہن کا ہے تو خیال یہ تھا کہ امریکہ میں ایک سال کے بعد کہیں نہ کہیں سے وظیفہ مل جاتا ہے میں نے کہا ٹھیک ہے چلے جاؤ۔ اس کو یہاں سے دے دی کافی رقم پندرہ بیس ہزار روپے کی دے دی۔ پھر اگلے سال اس نے مطالبہ کیا پھر وہاں کی جماعت سے کہا اس پر خرچ کرو۔ پھر تیس چالیس ہزار، وہاں بھی تعلیم پر خرچ بڑھتا چلا جا رہا ہے سال بسال۔ پھر اس کا مطالبہ آیا۔ پھر میں نے اس کو لکھا کہ تم نے جو شکل پیش کی تھی وہ کچھ اور تھی اور اب تم مانگ زیادہ رہے ہو۔ میں نے جماعت کو لکھا کہ پتا کریں کیوں اب ہم دیں؟ تو جماعت کے جو سمجھ دار لوگ تھے انہوں نے کہا یہ اتنا ذہین ہے اور یونیورسٹی میں اس کا اتنا اثر ہے کہ اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر تیسرے سال میں غالباً ساٹھ ستر ہزار یا کتنا تھا

وہ اس نے مانگا پھر میں نے جماعت کو کہا دو اس کو۔ پھر وہ غالباً اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا کیونکہ اس کے اگلے سال کا پھر مجھے علم نہیں۔ اس کو ضرورت نہیں پڑی ہوگی۔

تو ایسے جو ہیں۔ ایک بچہ یہاں تھا۔ اس نے ایم ایس سی فزکس میں یونیورسٹی کا ریکارڈ توڑا۔ اس کا خاندان اس کا خرچ نہیں برداشت کر سکتا تھا اس کا وہاں سارا خرچ پی ایچ ڈی کے لئے ہم نے مقرر کر دیا۔ دیں گے۔ یہ ۱۹۷۶ء کی بات ہے اس وقت وہ وہاں میرے ہوتے ہوئے۔ میں دورہ پر تھا، لندن میں تھا، جب وہ وہاں پہنچا، مجھے کہنے لگا آ کے ایک دن کہ مجھے جماعت نے وظیفہ دیا ہے پی ایچ ڈی کرنے کے لئے۔ انگلستان کی کوئی یونیورسٹی مجھے پی ایچ ڈی میں داخل نہیں کر رہی۔ وہ کہتے ہیں پہلے ایم ایس سی کرو۔ ہمارا ملک شاید وہاں بدنام ہے یا کیا قصہ تھا واللہ اعلمؔ میں نے سوچا، میں نے اس کو کہا ٹھیک ہے۔ میں نے کہا اگر یہ تمہیں داخل نہیں کر رہے تو ان کا حق ہے اس لئے کہ تمہیں اور تمہارے ذہن کو یہ پہچانتے نہیں۔ وہ کہتے ہیں، نہیں داخل کرنا۔ اپنے ملک کے بچے کی سیٹ تمہیں کیوں دے دیں، پی ایچ ڈی کی۔ تو وہاں مشورہ کیا۔ گلاسکو کی یونیورسٹی اس کو ایم ایس سی میں داخل کرنے کے لئے تیار تھی۔ کچھ اور یونیورسٹیز سے بھی مشورہ کیا، انہوں نے کہا کہ گلاسکو کی یونیورسٹی زیادہ اچھی ہے۔ میں نے اسے کہا میری طرف سے اجازت ہے تم کو۔ ایم ایس سی میں جا کے داخل ہو جاؤ۔ ساتھ ہی میں نے اسے یہ کہا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ فضل کرے گا کہ چھ مہینے کے اندر اندر وہ تمہیں خود کہہ دیں گے کہ چلو جاؤ پی ایچ ڈی میں۔ جب تمہارے ذہن کو پہچاننے لگیں گے، پھر وہ کہیں ٹھیک ہے، آؤ پی ایچ ڈی کرو۔ تین مہینے کے بعد انہوں نے کہا بدل لو اپنا کورس۔ ایم ایس سی کی بجائے پی ایچ ڈی کرلو اتنا ذہن تھا۔ ابھی اس نے پی ایچ ڈی ختم نہیں کی تھی۔ آکسفورڈ اور کیمرج دنیا کی چوٹی کی دو یونیورسٹیز ہیں۔ انہوں نے اسے لیکچر دینے کے لئے بلانا شروع کر دیا اور ابھی امتحان اس نے پاس نہیں کیا تھا۔ تو ایسے ذہین جو ہیں ان کو ہم کیسے ضائع کر سکتے ہیں۔ صرف اپنے فائدہ کے لئے نہیں، نوعِ انسانی کا یہ فائدہ ہے کہ ہر ذہن جو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو اس کی صحیح نشوونما کی جائے تا کہ نوع انسانی اس کائنات کی ہر شے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکے اور خدمت لے سکے۔

میں نے بتایا ۱۹۷۶ء میں اس نے ایم ایس سی فزکس کا ریکارڈ توڑا۔ کچھ لوگ تھے یہاں وہ پچھلے ریکارڈ سے اتنا آگے نکلا کہ بعض لوگوں نے یہ باتیں شروع کر دیں کہ ایک احمدی ہے بچہ، اس نے ریکارڈ توڑ دیا، اتنے نمبر لے لئے، آگے کون آئے گا، پھر اس کا ریکارڈ توڑنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ اس قسم کی باتیں شروع کر دیں۔ اس سال اسی یونیورسٹی سے یعنی یونیورسٹی آف دی پنجاب سے ہماری ایک احمدی لڑکی نے اس لڑکے کا ریکارڈ توڑ دیا۔

تو جو خدا تعالیٰ کی عطا ہے اس کی قدر کرنی چاہیئے اور اس کو سنبھالنا چاہیئے۔ میں نے بڑا سوچا اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر عطا ہی عظیم ہے اور اس کا ہمیں شکر گزار ہونا چاہیئے بڑی عظیم یہ نعمت ہے اللہ کی کہ کسی گھر میں ذہین بچے پیدا ہو جائیں، ذہن رسا سے زیادہ اور بڑی کوئی عطا نہیں کیونکہ ہر قسم کی خدمت پھر عطا سے فائدہ اٹھانے کی قابلیت ذہن کے ذریعہ سے ہی ہوتی ہے نا۔

تو میں بتا یہ رہا ہوں جماعت کو کہ جو اس قسم کے بچے ہیں ان کو تو ہم نے بہر حال سنبھالنا ہے خواہ کتنی مالی قربانی دینی پڑے جماعت کو لیکن جو ان سے ذرا نیچے ہیں مثلاً واضح کرنے کے لئے، یہاں بچے بڑے بہت پڑھے ہوئے زمیندار بھی ہیں۔ وہ سمجھ جائیں گے میری بات، ذرا نیچے سے۔ میں بڑا لمبا عرصہ کالج کا پرنسپل بھی رہا ہوں۔ یونیورسٹی کی طرف سے کچھ وظائف ہوتے ہیں۔ کچھ محکمہ تعلیم کی طرف سے وظائف ہوتے ہیں وہ مثلاً، اگر کسی نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان دیا تو سو دو سو، کافی تعداد ہے وظائف کی، یونیورسٹی یا محکمہ تعلیم کی طرف سے وہ وظائف مقرر ہیں۔ چوٹی کے اتنے لڑکوں کو وہ وظیفہ مل جاتا ہے۔ فرض کریں کہ مثلاً جس نے ۶۴ فیصد نمبر لئے کم از کم معیار جو وظیفہ لینے والوں میں سے تھا وہ اس کا تھا یعنی باقی سب نے ۶۴ فیصد سے زیادہ نمبر لئے اور سب سے کم وظیفہ لینے والے نے ۶۴ فیصد نمبر لئے۔ اس سے نیچے ہے ۶۳ فیصد والا اور ۶۳ اور ۶۴ میں بڑا فرق نہیں لیکن قانون اس کو وظیفہ نہیں دے رہا ہے۔ ذہین اور ایسا ذہین بھی ہے بعض دفعہ کہ وہ اگلے امتحان میں اپنے اوپر کے بچوں سے آگے نکلنے والا ہے۔ اس کو کیسے ضائع کیا جا سکتا ہے۔ ایسے بچے جو ذرا کم نمبر لینے والے وظیفہ کی حد سے۔ احمدی بھی اور ہمارے دوسرے بچے بھی بیسیوں کی تعداد میں ان کو ہر قسم کی سہولت دے کے

تعلیم الاسلام کالج نے پڑھایا ہے۔ اس واسطے کہ مجھے ایک ہدایت بنیادی طور پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے دی تھی جب میں کالج کا پرنسپل بنا اور وہ یہ تھی کہ کالج اس لئے کھولا گیا ہے کہ ہمارا ملک تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے ہے۔ مدد کرنی ہے قوم کی تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے کی۔ تبلیغ اس کی غرض نہیں۔ وہ دوسرے محکمے ہیں تبلیغ کرنے کے، ہر قسم کا لڑکا آیا اور اس کو اگر وہ غریب تھا اور ذہین تھا کالج نے وظیفہ دیا۔

ایک ایسا طالب علم آیا میرے پاس جس نے بس ذرا کم نمبر وظیفہ سے لئے ہوئے تھے۔ یہ لاہور کی بات ہے اور مہاجر تھا اور ہندوستانی تھا۔ میں نے اس کے کوائف پوچھے تو کہنے لگا ایک پیسہ نہیں خرچ کرسکتا۔ مجھے کسی نے کہا ہے پڑھنا ہے تو تعلیم الاسلام کالج میں چلے جاؤ۔ خیر میں نے پوچھنا شروع کیا۔ میں نے کہا تم کہتے ہو ایک پیسہ خرچ نہیں کرسکتا۔ تو دسویں کیسے تم نے پاس کرلی۔ یہ بتاؤ مجھے۔ پھر اپنی دکھ کی داستان مجھے سنائی۔ کہنے لگا میرا ایک بڑا بھائی ہے وہ کلرک ہے گورنمنٹ کے کسی محکمے میں اور اس وقت تنخواہیں کم تھیں۔ اب تو زیادہ ہوگئی ہیں۔ سو کے قریب اس نے بتایا صحیح نہیں مجھے یاد کم وبیش سو، کچھ کم کچھ زیادہ۔ یہ اس کی تنخواہ ہے کہنے لگا میرے والد اور والدہ بھی زندہ ہیں اور دونوں نابینا ہیں۔ میرا بھائی والدین کو بھی پالتا ہے اور تھوڑی بہت اس نے میری مدد بھی کی۔ مجھے کھانا کھلاتا رہا۔ گھر میں میں رہتا ہوں اس نے مجھے کھانا دیا اور تھوڑی سی مدد کی۔ کوئی پنسل لے دی کچھ اور سکول والوں نے میری فیس معاف کر دی اور اس طرح اس نے اتنے اچھے نمبر لئے کہ اگر دس نمبر اور لیتا تو وظیفہ مل جاتا اس کو۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے تمہیں داخل کروں گا لیکن میرے دماغ نے یہ سوچا کہ اگر پڑھنے کی خاطر اس نے خود اور اس کے خاندان نے قربانی نہ کی تو ممکن ہے یہ بے توجہ ہو جائے پڑھائی سے۔ یعنی اب میں بات کر رہا ہوں تب بھی مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ میں نے اسے تکلیف دی لیکن وہ تکلیف پہنچانا ضروری تھا میرے نزدیک۔ میں نے اسے کہا کل آجانا۔ دس روپے لے آنا میں تمہیں داخل کرلوں گا۔ میں نے اس کو فرسٹ ائیر میں دس روپے لے کے داخل کیا۔ فیس وغیرہ ہر قسم کی۔ اور اس کے بعد ایک دھیلا اس سے نہیں لیا اور مجھے یقین ہے کہ ان کے گھروں میں ممکن ہے کہ ایک وقت کا کھانا بھی نہ پکا ہو اس وجہ سے۔ بڑی قربانی ہے یہ یعنی

اس قسم کے حالات میں دس روپے بڑی قربانی تھی اور وہی میں خود اس سے لینا چاہتا تھا اس کے پڑھنے کے لئے اس کے خاندان سے لینا چاہتا تھا۔

ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا۔ مجھے پتا لگا میں نے اپنے ایک پروفیسر کو بھیجا۔ میں نے کہا اس کو تانگے پر بٹھاؤ اور لے جاؤ چوٹی کے ایک ڈاکٹر تھے لاہور۔ اب وہ فوت ہو گئے ہیں۔ ان کے پاس لے جاؤ اور ان کو جا کر پہلے کہہ دینا وہ کپڑے دیکھے گا اس کے۔ ہیئت کذائی دیکھے گا اور سمجھے گا غریب ہے توجہ نہیں کرے گا۔ کہنا یہ لڑکا غریب ہے لیکن جس کالج میں یہ پڑھ رہا ہے وہ غریب نہیں۔ اس واسطے اس کی صحیح طرح تشخیص کرو اور بہترین، سب سے مہنگی دوائی جو تمہارے نزدیک اس کے لئے چاہیئے، وہ اس کے لئے نسخہ لکھ دو تم۔ اس ایک مرض میں میرا خیال ہے قریباً تین سو روپیہ اس کے اوپر خرچ کیا۔ دس روپے اس سے لئے تھے لیکن دس روپے کا دکھ مجھے اب بھی ہے لیکن ضروری تھا میرے نزدیک۔

تو میں آپ کو بتا یہ رہا ہوں کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ جو ایک تو بہت اونچے ہیں لوگ اور ایک ان سے ذرا نیچے اور اس کی مثال میں مَیں نے کہا کہ دس بارہ نمبر لیتا تو وظیفہ لے لیتا لیکن جہاں تک ہماری طاقت تھی ہم نے بلا امتیاز عقیدہ اور علاقہ ہر ایک کو جو ہمارے پاس آیا ہم نے دیا۔ یعنی سینکڑوں کو تعلیم دلوادی اللہ کے فضل سے۔

یہ جو میں نے ابھی کہا کہ یہ جو ذرا کم وظیفہ لائن سے ہیں وہ آگے بھی نکل جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک احمدی لڑکا تھا اپنا خرچ کر رہا تھا۔ بہت نچلے درجے کی سیکنڈ ڈویژن یا اونچے درجے کی تھرڈ ڈویژن میں اس نے میٹرک پاس کیا اور ہمارے پاس آ کے ایف ایس سی پاس کیا یعنی بہت نچلے درجے کی سیکنڈ ڈویژن یا اوپر کی تھرڈ ڈویژن میں اس نے ایف ایس سی پاس کیا اور اچھی بہت اچھی سیکنڈ ڈویژن میں اس نے بی ایس سی پاس کیا اور فرسٹ ڈویژن میں اس نے ایم ایس سی پاس کیا۔ اس طرح ترقی کرنے والے بھی دماغ ہیں۔ یہ تو جو تجربہ کار ہیں وہ جانتے ہیں اور کئی ایسے بھی آتے ہیں جو سات ساڑھے سات سو نمبر لے کے آتے ہیں اور دماغ ان کا ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ پھر آگے تنزل کی سیڑھیاں اترتے ہیں۔ ترقی نہیں کرتے لیکن وہ استثناء ہیں ان کا پتا لگ جاتا ہے تو جماعت کے سامنے اس بچے کی کل کی گفتگو کے بعد میں

اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کھول کر بات کروں آپ سے۔ جو ہے اوپر کی ایک لائن کھینچیں آپ کہیں کہ اس سے اوپر جو ہے اسے ہم نے بہرحال سنبھالنا ہے۔ اگر اور نہیں انتظام اس کا۔ یعنی جن کا انتظام ہے کئی ایسے چوٹی کے ہیں۔ اب جس لڑکی، اپنی بچی کا میں نے کہا، اس کو بڑا وظیفہ دے دیا آکسفورڈ والوں نے، وہ گھبرائی ہوئی تھی اس کو پتا نہیں تھا وہاں کے اخراجات کا تو اس کے والد اپنی بیٹی کو میرے پاس لے آئے میں نے اس کو سمجھایا بالکل فکر نہ کرو۔ اتنا وظیفہ ہے کہ تم سے ختم نہیں ہوگا اور اتنی ذہین، اس نے اپنے کوائف بھیجے، ابھی فزکس میں آگے دو لائنز تھیں جن میں سے ایک لے سکتی تھی تو وہ ڈانواں ڈول تھی کہ کون سی لائن لے، اس نے وہاں، جس سے خط وکتابت تھی، انچارج تھا داخل ہونے کا اس نے اس کو لکھا تم کوئی فکر نہ کرو۔ یہاں آجاؤ۔ جو مرضی لے لینا داخل ہو جاؤ۔

کسبِ کمال کُن کہ عزیز جہاں شوی

کوئی رستے میں اس کے روک ہی نہیں تھی۔ ویسے میں نے اسے مشورہ دیا کہ یہ لائن لو۔ تمہارے لئے اچھی رہے گی۔ اس وقت وہ نہیں مانی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے جدھر جانا چاہتی ہو جاؤ لیکن وہاں جا کے حالات دیکھ کے اس نے وہی لائن لی جس کا میں نے پہلے اسے مشورہ دیا تھا۔ بہرحال دعا کریں انشاء اللہ اللہ اسے توفیق دے آگے سے آگے نکلنے کی۔

ایسے دسیوں ہمارے نوجوان ہیں بلکہ بیسیوں کہنا چاہیئے جو آگے نکل گئے یا جو آرہے ہیں اس وقت سٹڈی کر رہے ہیں لیکن دسیوں کی تو تعداد جو ہے وہ تو ہمارے لئے کافی نہیں ہے ہمیں تو اگلے پندرہ بیس سال کے اندر پہلے سینکڑوں اور پھر ہزاروں کی تعداد میں ٹاپ (Top) کا سکالر (Scholar) چاہیئے ہر مضمون میں، اس واسطے کہ اس دنیا میں آج کے انسان نے علم کی اہمیت اور اس کے مقام کو پہچانا ہے اور علم نے اس کو نقصان بھی پہنچایا۔ یعنی علم کے میدان میں جب آگے بڑھے تو بہتوں نے سمجھ لیا کہ عقل کافی ہے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں۔ یا بعض مغرور ہو گئے لیکن جو اچھے سائنسدان دنیا نے پیدا کئے یا دوسرے محققین۔ ان میں سے بڑی بھاری اکثریت مسکین، کوئی فخر نہیں، عاجز انسانوں کی ہے یعنی خدا کو انہوں نے مانا یا نہ مانا لیکن عجز اور انکسار ان کی طبیعتوں میں پایا جاتا ہے لیکن کچھ متکبر بھی ہو گئے۔ ان کو علم

نے نقصان پہنچایا۔ کچھ قوموں کو نقصان پہنچایا۔ یعنی جو خود عالم نہیں تھے مثلاً آپ کوئی قوم یورپ کی لے لیں۔ ایک حصہ تھا ان کا محققین کا۔ عاجز منکسر المزاج انسانوں کا جنہوں نے علم کے میدان میں رفعتیں حاصل کیں۔ چاند پر کمند ڈالی۔ مریخ کی تصویریں حاصل کر لیں وغیرہ وغیرہ۔ ہر طرف وہ آگے بڑھے۔ آگے بڑھتے چلے گئے دنیوی لحاظ سے۔ بڑے ہی منکسر المزاج۔ اکثر ان میں سے ایسے ہیں جنہوں نے ان قوموں کو سنبھالا ہوا ہے مجھ سے کسی نے پوچھا تھا کہ خدا تعالیٰ ہماری قوم پر عذاب کیوں نہیں نازل کرتا اتنے بداخلاق ہو گئے ہیں ہم۔ میں نے کہا تمہارے اندر ایک حصہ ایسا ہے کہ جو شراب نہیں پیتا، سگریٹ نہیں پیتا، جو شہوت کی نظر کسی لڑکی پر نہیں ڈالتا۔ اپنے کام میں مگن خدمتِ خلق کا جذبہ ہے اس کے اندر۔ کہتا ہے یہ میرا میدان ہے اس میں میں ترقی کروں گا۔ انسان کو فائدہ پہنچے گا اور ہر ملک میں لاکھوں ایسے ہیں تو ان کو خدا تعالیٰ کیسے ہلاک کر دے جو اس کے بندوں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اگر چہ اس کو نہیں پہچانتے۔ بہر حال ہم نے ان تک بھی تو خدا تعالیٰ کا نام پہنچانا ہے یہ جو علمی میدانوں میں آسمانوں کو چھو رہے ہیں ان تک بھی تو خدا تعالیٰ کا نام پہنچانا ہے۔ ان پر بھی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن ظاہر کرنا ہے۔ انہیں بھی تو بتانا ہے کہ کس قوتِ احسان کے مالک ہیں ہمارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان سے تو انہی کے مقام پر علمی میدان میں پہنچا ہوا آدمی بات کر سکتا ہے اور تو نہیں کر سکتا۔

تو اس نقطۂ نگاہ سے بھی یعنی ایک تو ہے خدمتِ خلق کا نقطۂ نگاہ۔ اس لحاظ سے بھی کہ زیادہ سے زیادہ خدمت لینے کی طاقت نوعِ انسانی میں پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ وہ حصہ پائے ایک یہ نقطۂ نگاہ ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ وہ لوگ جو خدا سے دور چلے گئے خدا کی کائنات میں تحقیق بھی کر رہے ہیں۔ نئے سے نئے علوم بھی نکال رہے ہیں۔ نوعِ انسان کی خدمت بھی کر رہے ہیں لیکن وہ جس نے سب کچھ پیدا کیا اس کو جانتے نہیں، بڑی محرومی ہے۔ ان کو ان محرومیوں سے نکال کے ان ظلمات سے باہر کھینچ کر نور کی طرف لانا یہ بھی تو ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ بھی تو ان کا حق ہے۔ یہ حق ہے کہ ان کو نور ملے۔ یہ حق ہے کہ وہ خدا کو پہچانیں۔ یہ حق ہے کہ جس طرح دنیوی میدانوں میں انہوں نے خدا تعالیٰ کی نعماء کو حاصل

کیا، روحانی طور پر بھی وہ خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کرنے والے اور اس کی رضا کی جنتوں کو پانے والے ہوں اس لئے جماعت احمدیہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے کسی بچے کو اس سے پہلے تعلیم چھوڑنے نہ دیں جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہے۔ جو بچہ اپنے ذہن کے لحاظ سے مڈل تک پہنچ سکتا ہے اس کو پرائمری میں نہ چھوڑنے دیں تعلیم۔ جو میٹرک تک پہنچ سکتا ہے اسے مڈل میں نہ چھوڑنے دیں تعلیم۔ جو انٹرمیڈیٹ میں پہنچ سکتا ہے اس کو دسویں جماعت کے بعد تعلیم نہ چھوڑنے دیں۔ جو بی اے۔ ایم اے۔ پی ایچ ڈی کر سکتا ہے اس سے پہلے وہ تعلیم چھوڑ کے دوسرے میدانوں میں نہ جائے۔ پہلے اپنی استطاعت اور قابلیت کے مطابق اپنی تعلیم کو پورا کرے۔ پھر وہ اس تعلیم سے فائدہ اٹھائے جو اس نے حاصل کیا، علم کے میدان میں۔ اس کی روشنی میں۔ دوسروں کے لئے ایک مفید وجود بننے کی کوشش کرے۔

اصل علم ہمارے نزدیک تو قرآن کریم میں پایا جاتا ہے اور جتنے یہ سارے علوم سائنسز وغیرہ جو ہیں ان کی بنیادی باتیں ہمیں قرآن کریم میں نظر آتی ہیں بلکہ بعض ایسی بنیادی حقیقتیں ہیں جو علم کے میدان میں آگے بڑھنے والی قومیں ہیں ان سے بھی وہ بنیادی حقیقت مخفی رہی اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ ہم پر اسے واضح کیا۔ مثلاً Mathematics ہے۔ حساب جو ہے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بالکل واضح اور اس میں کوئی غلطی اور کوئی خلط اور کوئی Confusion ہو ہی نہیں سکتا۔ دو اور دو چار اور آٹھ اور آٹھ سولہ ہیں۔ اسی طرح یہ سارا چلتا ہے لیکن جو حساب دان ہیں چوٹی کے انہوں نے یہ لکھا ہے میں نے خود پڑھا ہے کتاب میں کہ علم حساب جو ہے یعنی حساب کا علم۔ مفروضات کے اوپر اس کی بنیاد ہے، حقائق پر نہیں کہ بعض مفروضات ہم کرتے ہیں۔ پھر یہ علم آگے چلتا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ حساب کی بنیاد بعض حقائق کائنات پر ہے۔ اس وقت یہ میرا مضمون نہیں۔ میں لمبا نہیں کرنا چاہتا۔ صرف یہ بتا رہا ہوں کہ اس وقت علم کے میدانوں میں وہ علم جن کا دنیا کے ساتھ تعلق ہے بظاہر یا وہ علم جس نے غلط فکر نے، محض دنیوی علوم سمجھے جانے لگے وہ ان کی بنیادی باتیں قرآن کریم سے ہمیں پتا لگتی ہیں لیکن روحانی زندگی تو اس دنیوی زندگی کے مقابلہ میں ہر پہلو اور ہر جہت سے اہم بھی ہے اور اس قابل ہے کہ اس کے حصول کے لئے اس دنیا کی ہر چیز قربان کر دی جائے۔ یہ دنیا عارضی، تھوڑے وقت

کے لئے اس کی نعمتوں میں اگر مٹھاس ہے تو کڑواہٹ بھی ہے۔ اگر خوشی ہے تو تلخی بھی ہے۔ اگر آرام ہے تو دکھ بھی ہے ہر چیز ملی ہوئی ہے انسان کی زندگی میں لیکن اس کے مقابلہ میں جو اخروی زندگی ہے اس میں تو ایک ایسی زندگی ہے جس میں موت نہیں۔ ایسی صحت والی زندگی ہے جس میں بیماری نہیں۔ ایسا احساس سیری کا۔ سیری کا احساس ہر لحاظ سے ہوتا ہے صرف روٹی کھا کے نہیں ہوتا۔ سیری کا ایسا احساس ہے جس میں بھوک کا کوئی دخل نہیں۔ ترقیات کے ایسے دروازے ہیں جو کبھی بند نہیں ہوتے۔ یہاں تو اس زندگی میں بند ہو جاتے ہیں۔ بڑھاپے کی عمر آتی ہے۔ علم آدمی جو ساری عمر سیکھتا رہا، وہ بھول گئے۔ بڑا زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تو وہ علم جو اخروی رضائے الٰہی کی جنتوں کی نشاندہی کرنے والا۔ ان کی راہوں کو کھولنے والا ہے۔ وہ قرآن کریم کا علم ہے۔ اس واسطے میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں جامعہ احمدیہ کے بھی طالب علم اور اساتذہ۔ اصل علم کے میدانوں میں جو قیادت کرنی ہے جو ہدایت دینی ہے۔ راہنمائی جن کے حصہ میں آئے وہ، وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کریم کو سمجھا اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں میں ایک عظیم نور پیدا کرنے کی کوشش کی دعاؤں کے ذریعہ سے بعض طالب علموں کو بھی چند دن ہوئے میں نے کہا تھا کہ تمہارے دو حصے ہیں۔ ایک وہ جو تمہیں کتابیں پڑھائی جاتی ہیں قرآن کریم کی تفسیر ہے، احادیث ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان کا تعلق تمہارے اساتذہ اور کتب سے ہے ایک تمہارا کورس ہے جس کا تعلق صرف تم سے ہے اور وہ یہ ہے کہ تم دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ اس عظیم علم کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تمہیں توفیق عطا کرے اور یہ تو ہمارے جامعہ میں پڑھے ہوئے یا دوسرے علماء جو ہیں یا نہیں بھی پڑھے ہوئے وہ بھی پڑھ کے دعائیں کر کے علم حاصل کرتے ہیں۔ ساری جماعت کو، قرآن کریم کی روشنی سے روشنی لے کر روشن راہوں پر اپنی کوشش اور سعی کے قدم آگے بڑھانے چاہئیں۔ اگر مسلمان ہو کے، اگر قرآن کریم کو ماننے کے بعد، اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کے دعویٰ کے بعد، اگر توحید پر قائم ہونے کے بعد بھی اندھیرے ہیں تو سارے دعوے جھوٹے، قرآن کریم نے کہا ہے کہ جو میرے ہو جاتے ہیں ان کے لئے ایک ایسا نور پیدا کیا جاتا ہے اور ایسا نور ان کو دیا جاتا ہے جو ان کی راہبری کرتا ہے آگے بھی اور پہلو پر بھی۔

تو یہاں میں ساری جماعت کو توجہ دلا رہا ہوں کہ جو انفرادی عطیہ ہے ذہن کا یعنی ایک فرد کو مل گیا۔ ایک خاندان میں پیدا ہو گیا نہ اس کو ضائع کرنا ہے اور نہ جماعت کا مجموعی طور پر جو عطا خدا تعالیٰ نے دی اور بڑی دی۔ دوسرے سے زیادہ دی ہے نہ اس کو ضائع کرنا ہے ناشکرے نہیں بننا۔ اس کے شکر گزار بندے بننے کی کوشش کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱؍اگست ۱۹۸۲ء صفحہ ۲ تا ۷)